ڈاکٹر محمد شہاب الدین
پروجیکٹ فیلو، سینٹر آف اڈوانسڈ اسٹڈی،
شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۲۰۰۲

حالؔی کے سوانحی نظریات اور حیات سعدی

Khwaja Altaf Husain Haali's book: Hayat e Sa'adi is considered to be the first sound biography in Urdu literature. For Haali, the biographies of the legendary personalities serve as best source of inspiration for the future generation. Though he admits the prevalence of shortcomings, not forgetting the characteristics of biographical works, he hardly takes care of it in his own works. Besides giving a deliberation of his early life, educational pursuits, travel, etc., Haali projects Sa'adi as a great scholar, unparalleled orator, moral benefactor, and a great Sufi and demarcates the impact of socio-cultural ambience on the development of his personality. As a critique, of prose and poetry, Haali besides eulogizing Sa'adi as an unconventional prolific writer, distinctive and proficient poet, considers him at par with Firdousi in the field oh Mathnavi writing in certain aspects. Regardless of certain literary shortcomings, this biography, with respect to its art, language and style, occupies a novel space in Urdu literature that exercised considerable influence on the later biographical narrations.

خواجہ الطاف حسین حالؔی اردو کے پہلے باقاعدہ سوانح نگار ہیں۔ انھوں نے اردو تنقید کی طرح سوانح نگاری کی بھی بنیاد قائم کی، اور اپنے سوانحی نظریات کے مطابق اردو میں سوانحی کتب تصنیف کیں۔ حیات سعدی، یادگارِ غالب اور حیات جاوید، ۱۸۸۶ء میں لکھی گئی 'حیات سعدی' کو اردو کی پہلی باقاعدہ سوانح حیات کی حیثیت حاصل ہے۔ حالؔی چوں کہ افادی ادب کے قائل تھے، اس لیے سوانح نگاری میں بھی انھوں نے اس نظریے کو پیش نظر رکھا۔ ان کے بعض سوانحی نظریات حیات سعدی میں موجود ہیں۔

سوانحی نظریات:

حالؔی کے نزدیک بزرگوں کی سوانح آیندہ نسلوں کے لیے تحریک عمل کا ذریعہ ہے، خصوصاً زوال شدہ قوموں کے لیے سوانح تازیانہ کی حیثیت رکھتا ہے، جن کے مطالعے سے وہ قومیں عظمت رفتہ کے حصول کی کوشش کرتی ہیں۔ حالؔی سوانح کو قوموں کے اخلاق کی درستگی کا موثر ذریعہ بھی سمجھتے ہیں، اور اسے ایک اعتبار سے علم اخلاق کی نسبت زیادہ مفید خیال کرتے ہیں، کہ علم اخلاق سے محض نیکی و بدی کی ماہیت معلوم ہوتی ہے، جب کہ سوانح دل کے اندر نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی زبردست تحریک پیدا کرتی ہے۔[1]

حالؔی نے اپنی سوانحی تصنیفات میں جن اصول و نظریات کا انطباق کیا ہے، ان میں سے بعض کا تذکرہ، انھوں نے ''حیات سعدی'' کے دیباچے میں کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے ذرائع سے مغربی سوانحی نظریات سے واقفیت حاصل کی تھی، اگرچہ شاید تمام نمائندہ سوانحی کتب تک رسائی یاان کے مباحث اور رجحانات سے واقفیت انھیں نہیں ہوسکی تھی۔ حالؔی سوانح نگاری کے مغربی رجحان کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> زمانۂ حال میں یورپ کے مورخوں نے، خاص کر سترہویں صدی سے، بیوگریفی کو بے انتہا ترقی دی ہے۔ یہاں تک کہ تاریخ کی طرح بیوگریفی نے بھی فلسفے کی شکل اختیار کی ہے۔ حال کی بیوگریفی میں اکثر مورخانہ تدقیق کی جاتی ہے اور واقعات سے منطقی طور پر نتائج استخراج کیے جاتے ہیں۔ مصنف کے کلام پر خوض کیا جاتا ہے، اور اس کے عیب اور خوبیاں صاف طور پر ظاہر کی جاتی ہیں۔ اکثر ایک ایک شخص کی لائف، کئی کئی ضخیم جلدوں میں لکھی جاتی ہے۔[۲]

مذکورہ تحریر سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ سوانح نے فلسفے کی شکل اختیار کرلی ہے۔

۲۔ سوانح میں اکثر تاریخ کے طرز پر واقعات کی تحقیق کی جاتی ہے، اور ان واقعات سے فرد کی زندگی سے متعلق منطقی نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ مصنف کے کلام پر نقد کیا جاتا ہے، اور

۴۔ اکثر ایک شخص کے حالات کئی ضخیم جلدوں میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

حالؔی کے زمانے میں وکٹوریائی طرز سوانح نگاری رائج تھی، جن کے بعض نمونے غالباً ثانوی ذرائع سے حالؔی کے پیش نظر رہے۔ ''حیات سعدی'' کے دیباچے میں جس طرح انھوں نے ایک شخص کی لائف کئی ضخیم جلدوں میں لکھے جانے کا تذکرہ کیا ہے، اس سے اپنے عہد کے مغربی سوانحی رجحانات سے ان کی بالواسطہ باخبری ظاہر ہوتی ہے۔ سوانح سے متعلق اپنے ایک مضمون میں سید شاہ علی نے جس طرح ''بترل'' کے حوالے سے وکٹوریائی عہد کے سوانحی رجحان کو پیش کیا ہے، اس سے ایک روایتی سوانح کی شبیہ اُبھرتی ہے، جس میں پیدایش، ولدیت، اسکول اور یونی ورسٹی کے ایام، پیشے کے انتخاب، شادی اور غیرملکی اسفار، یہاں تک کہ بیماری، موت اور خصائل جیسے عنوانات کے تحت تفصیلات حیات تحریر کی جاتی تھیں۔[۳] مضمون نگار کا کہنا ہے کہ ''وکٹوریائی سوانح عمری کا لب و لہجہ بے حد سنجیدہ، خشک اور بے رونق، شکل میکانکی اور سخت اور اسلوب غیرضروری طوالت اور صراحت کا حامل تھا، جو اصول سوانح نگاری کے خلاف تھا۔[۴] ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ وکٹوریائی طرز سوانح پر تنقیدیں اور تجزیے بیسویں صدی کے اوائل میں ہوئے، تو حالؔی اور شبلؔی سے یہ کیوں کر توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس وقت اس رجحان پر تنقیدی نظر ڈالتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''حالؔی سے (جن کی معلومات تراجم اور سنی سنائی باتوں تک محدود تھیں) یہ توقع کرنا کہ وہ پلوٹارک، باسول اور لاک ہارٹ کے شاہ کاروں کے مطالعہ سے اپنے لیے شاہ راہ عمل متعین کرتے، بے جا ہے۔[۵] انھوں نے اس حوالے سے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> یہ اردو ادب کی بدقسمتی تھی کہ اردو کے بہترین ادیبوں کو تقلید کے لیے سوانح نگاری کے بہترین نمونے نہ مل سکے اور ان کے زمانہ میں اس سوانحی طریقے کو عروج و اقتدار حاصل تھا، جسے فن تنقید نے بعد میں مذموم قرار دیا۔[۶]

بہرحال اردو میں اوّلین باقاعدہ سوانح لکھنے والے حالؔی نے مغربی سوانح نگاری کے رجحان سے استفادہ کرتے ہوئے، اس کا انطباق اپنی سوانحی تصنیفات میں کیا ہے۔ چناں چہ انھوں نے سرسید کی شخصیت، کردار، ان کے قومی، ملکی، علمی اور مذہبی خدمات کو دو حصوں میں اس تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ ''حیات جاوید'' ایک ضخیم سوانح کی شکل اختیار کرگئی ہے، جب کہ ''حیات سعدی'' میں سعدی کی نظم و نثر پر تفصیل کے ساتھ نقد کیا ہے، کہ سوانحی پہلو پر تو بہت مختصر محض ایک تہائی حصے میں لکھا ہے، جب کہ حصہ نقد پھیل کر کتاب کے دوتہائی حصے پر محیط ہوگیا ہے۔ اس کے برعکس ''یادگارِ غالب'' اور بھی تفصیلی ہے، جو دو حصوں میں اردو اور فارسی کلام پر مشتمل ہے، جس کا حصہ نقد تین چوتھائی حصے کا احاطہ کرتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ''حیات سعدی'' اور ''حیات جاوید'' کے برعکس ''یادگارِ غالب'' کو حالؔی نے سوانح نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی تصنیف کا اصل مقصد غالبؔ کے عجیب وغریب شاعرانہ ملکے کا اظہار قرار دیا ہے۔ غالباً یہی سبب ہے کہ اس کا نام انھوں نے ''حیات سعدی'' اور ''حیات جاوید'' سے بالکل مختلف ''یادگارِ غالب'' رکھا۔ حالؔی بہت وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

> میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ مرزا کی لائف میں کوئی منوّہ بالشان واقعہ ان کی شاعری و انشاپردازی کے سوا نظر نہیں آتا۔ لہٰذا جس قدر واقعات ان کی لائف کے متعلق اس کتاب میں مذکور ہیں، ان کو ضمنی اور اسطردادی سمجھنا چاہیے۔ اصل مقصود اس کتاب کے لکھنے سے شاعری کے اس عجیب وغریب ملکے کا لوگوں پر ظاہر کرنا ہے، جو خداتعالیٰ نے مرزا کی فطرت میں ودیعت کیا تھا، اور جو کبھی نظم و نثر کے پیرایے میں، کبھی ظرافت اور بذلہ سنجی کے روپ میں، کبھی عشق بازی اور رندمشربی کے لباس میں، اور کبھی تصوف اور حب اہل بیت کی صورت میں ظہور کرتا تھا۔ پس جو ذکر ان چار باتوں سے علاقہ نہیں رکھتا، اس کو اس کتاب کے موضوع سے خارج سمجھنا چاہیے۔[۷]

ہیرو کی خوبیوں کے ساتھ خامیوں کو پیش کرنا سوانح نگاری کے متعلقات میں سے ہے، تاکہ ایک حقیقی انسانی شخصیت کی تصویر سوانح میں اُتاری جاسکے، لیکن اوّلین سوانح نگار حالؔی کو اس کا خیال اس وقت آیا، جب وہ حیات سعدی اور یادگارغالب تحریر کرچکے تھے۔ اس کی وجہ حالؔی کے نزدیک یہ ہے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ کسی کی سوانح کریٹکل طریقے پر لکھی جائے، اور اس کی خوبیوں کے ساتھ کم زوریاں بھی دکھائی جائیں، اس لیے کہ ہندوستان میں ہیرو کے ایک عیب یا خطا کا معلوم ہونا، اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ چناں چہ حالؔی نے ''حیات جاوید'' سے قبل کی سوانح عمریوں میں کم زوریوں کو دکھانے سے احتراز کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> چناں چہ اسی خیال سے ہم نے جو دو ایک مصنفوں کا حال اب سے پہلے لکھا ہے، اس میں جہاں تک ہم کو معلوم ہوسکیں، ان کی اور ان کے کلام کی خوبیاں ظاہر کی ہیں، اور ان کے پھوڑوں کو کہیں ٹھیس نہیں لگنے دی۔[۸]

لیکن اس نوع کی سوانح عمریوں کو حالؔی خود چاندی، سونے کی ملمع سازی قرار دیتے ہیں، جس میں حقیقی شخصیت اس ملمع سازی سے چھپ جاتی ہے اور ویسی ہی شخصیت اُبھرتی ہے، جیسی سوانح نگار، چاہے کسی مجبوری کے سبب ہی کیوں نہ ہو، دکھانا چاہتا ہے۔ اس بابت سیدعبداللہ کا کہنا ہے کہ اس زمانے کی سوانح نگاری میں تذبذب نمایاں ہے۔ سوانح نگار پرانی روایات سے منقطع ہونے کی خواہش رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کی سوانحوں میں قدیم یادگاری خصوصیات موجود ہیں۔ وہ غیرجانب داری کا دعویٰ کرتے

ہیں، لیکن زمانے کی عدم موافقت کا عذر بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کا سبب ان کے نزدیک یہ ہے کہ جدید مغربی سوانحی تصورات (جن کو ہندوستان پہنچے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا) کی ماہیت سے اس وقت شاید صحیح واقفیت پیدا نہیں ہوئی تھی، اور اس کی وجہ شاید یہ تھی:

> اس زمانے کے اکثر مصنف مغربی زبانوں سے ناواقف تھے اور ان کا سرمایۂ معلومات مغربی ادب کے بارے میں کچھ زیادہ نہ تھا، اور جو کچھ تھا، انھوں نے بالواسطہ حاصل کیا تھا۔[9]

لیکن راقم کا ماننا ہے کہ یہ سب درست سہی، مگر اس کا بنیادی سبب وہی ہے، جس کا ذکر حالؔی نے کیا ہے، یعنی ہیرو کی شخصیت میں خامیوں کو نہ دیکھ سکنے کا عمومی رجحان۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آج حالؔی زندہ ہوتے تو کیا وہی رویہ اختیار کرتے جو اس عہد میں انھوں نے اختیار کیا تھا؟ جواب ظاہر ہے مختلف ہوگا۔ بہرحال اس ابتدائی عہد میں بھی حالؔی نے سرسید کی سوانح میں خوبیوں کے ساتھ کم زوریوں کو دکھانے کی ضرورت کو پیش کیا ہے، مگر حیات جاوید کے دیباچے کا اسلوب کچھ ایسا اختیار کیا ہے کہ اس ضرورت کی پیش کش عملی سے زیادہ اصولی نظر آتی ہے:

> وہ ہم میں پہلا شخص ہے، جس نے مذہبی لٹریچر میں نکتہ چینی کی بنیاد ڈالی، اس لیے مناسب ہے کہ سب سے پہلے اسی کی لائف میں اس کی پیروی کی جائے اور نکتہ چینی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ اگرچہ سرسید کے معصوم ہونے کا نہ ہم کو دعویٰ ہے، نہ اس کے ثابت کرنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں، لیکن اس بات کا ہم کو خود بھی یقین ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اوروں کو بھی اس کا یقین دلائیں کہ سرسید کا کوئی کام سچائی سے خالی نہ تھا، اور اس لیے ضرور ہے کہ ان کے ہر ایک کام کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔[10]

اس حوالے سے خاصی بحثیں بھی ہوئی ہیں اور شبلی نے اسے ''کتاب المناقب'' اور حالؔی کے طرز کو ''مدلل مداحی'' بھی قرار دیا ہے، لیکن اس سے قطع نظر خود شبلی کے الفاظ ان کے غیر معروضی رویے کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں شبلی کا زیادہ متوازن اسلوب ایک دوسری تحریر میں سامنے آتا ہے:

> آج کل کی سوانح نگاری کا یہ انداز ہے کہ حقیقت نگاری کے ظاہر کرنے کے لیے ہیرو پر نکتہ چینی کی جاتی ہے، لیکن اس طرح کہ محاسن کو نہایت وسعت اور عمومیت کے ساتھ ہر پہلو سے دکھایا جاتا ہے، پھر نہایت کم زور اور ضعیف الفاظ میں ایک آدھ اعتراض بھی بیان کر دیے جاتے ہیں، جس سے دراصل مداحی کو قوت دینی مقصود ہوتی ہے..... یہ طریقہ ہماری زبان کے سوانح نگاروں نے یورپ سے سیکھا ہے۔ اردو کی اعلا سے اعلا سوانح عمریوں کا یہی انداز ہے۔[11]

بہرحال شبلی کے اعتراض کے باوجود یہاں حالؔی کو معذور سمجھنا چاہیے کہ وہ اردو میں پہلی بار جدید سائنٹفک طرز پر سوانح لکھ رہے تھے، اور ان کے زمانے کا رجحان بھی جدید سوانحی نظریات کے اطلاق کے لیے پوری طرح موافق نہیں تھا۔

انتخاب سعدی کی وجہ:

جس عہد اور ماحول میں حالؔی سوانح نگاری کی داغ بیل ڈال رہے تھے، وہ مسلمانوں کے زوال کا عہد تھا۔ مغلیہ سلطنت کے خاتمے اور انگریزی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی مسلمانوں کے زوال پر مہر لگ گئی تھی۔ ان حالات میں اپنے عہد کے عظیم مصلح، قائد اور مدبر سرسید مسلمانوں کو زوال سے نکالنے کے لیے اپنے منصوبے کے مطابق کام کر رہے تھے، جن کے نظریات کے متبع خود حالی بھی

تھے۔ اس ماحول میں تین شخصیات کا انتخاب، جن میں دو شاعر اور ایک مصلح قوم تھا (اور ان میں کا ایک معلم اخلاق بھی)، حالؔی کے فکری رجحان اور ترجیحات کو ظاہر کرتا ہے۔ مذکورہ شخصیات کا انتخاب ایک قومی ضرورت کے تحت کیا گیا تھا، اور ان کی سوانح کے ذریعہ حالؔی سوتی قوم کے اخلاق و عادات کو درست کرنے، ان کے اندر جذبۂ علم وفن اور جذبۂ تحریک وعمل پیدا کرنا چاہتے تھے، سوانح لکھنے کے لیے شخصیت سوانح سے جس ذہنی مناسبت و ہم آہنگی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مناسبت حالؔی کی ان تینوں شخصیات سے تھی۔ ان میں سے غالبؔ اور سرسید سے حالؔی کی ذہنی مناسبت کے ساتھ شب و روز کے مراسم بھی تھے، جب کہ سعدی کے غیر روایتی اور منفرد طرز کی نثر اور شاعری کے بنیادگزار ہونے، ادب میں اخلاقی نقطۂ نظر اختیار کرنے اور سادہ ذہن و مزاج کے حامل ہونے کے سبب حالی کا ان سے رشتہ ذہنی اور روحانی تھا۔ حالؔی کا کہنا ہے کہ انھوں نے اوّلاً شیخ کا حال اس لیے لکھا ہے کہ ہندوستان میں اس سے زیادہ کوئی مسلمان مصنف مقبول اور مشہور نہیں ہے اور خاص کر فارسی زبان کے شعرا میں کوئی شاعر ان کے رتبے کو نہیں پہنچتا۔[۱۲] انھوں نے انتخاب سعدی کی وجہ مزید صراحت کے ساتھ لکھی ہے، جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے تاکہ منشاے مصنف سے براہِ راست واقفیت ہو سکے۔ حالؔی لکھتے ہیں:

> اگرچہ شیخ کی اصل سرگزشت میں، جس قدر کہ وہ اب تک معلوم ہوئی ہے، کوئی عظیم الشان واقعہ نہیں ہے، لیکن جس ترتیب کے ساتھ اس کے پراگندہ حالات جمع کرکے، اس کتاب میں لکھے گئے ہیں، اور جس طریقے سے اُس کی عمدہ تصنیفات اور پاکیزہ خیالات پر بحث کی گئی ہے، اس سے امید کی جاتی ہے کہ عام ناظرین کے لیے اس کا مطالعہ لطف سے خالی نہ ہوگا، اور خاص کر شعرا کو اس سے کسی قدر بصیرت اور نصیحت بھی حاصل ہوگی۔[۱۳]

مآخذ/قلت مواد:

تو یہ تھی وہ وجہ کہ جس کے سبب حالؔی نے سعدی کا انتخاب کیا، مگر جب حالؔی نے سعدی کی سوانح کا ڈول ڈالا، تو انھیں مواد کی کمی کا اندازہ ہوا، جس کا ذکر بھی انھوں نے اس کتاب کے دیباچے میں کیا ہے۔ انھوں نے اس کتاب کو تحریر کرنے کے لیے ہندوستان میں دستیاب کچھ فارسی تذکروں کو دیکھا، کچھ انگریزی کتابوں' سرگوراوسلی کی سعدی پر کتاب اور چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کا سہارا لیا' کچھ عہد سعدی کی تواریخ کا مطالعہ کیا، علاوہ ازیں کلیات سعدی کے دیباچے کو دیکھا اور باقی خود کلام سعدی کے گہرے مطالعے سے سوانح اور خصوصیات کلام کا استنباط کیا، اور اس طرح یہ سوانح وجود میں آ گیا، جس میں سوانح کم اور تنقید زیادہ ہے۔ ۲۶۴ صفحے کی اس کتاب میں سوانح محض ۶۳ صفحات میں اور نقد کلام ۱۷۶ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ آخر کتاب میں شامل سوانح اور شاعری پر مشتمل ضمیمے کو بھی اگر شامل کرلیا جائے، تو سوانحی حصہ ذرا بڑھ جاتا ہے۔ سعدی کی سوانح سے متعلق مواد غالباً فارسی ادب میں بھی کم یاب تھا، یہی وجہ ہے کہ جب شبلؔی نے شعرالعجم میں سعدی پر مضمون لکھا، تو سوانحی حصے میں کوئی قابلِ ذکر اضافہ نہیں کر سکے۔ چوں کہ دونوں کے مآخذ تقریباً ایک ہی تھے، اس لیے بالعموم مضامین وہی ہیں، جو حیات سعدی میں ہیں، البتہ بعض جگہوں پر جزئیات میں کسی قدر اضافہ ہے۔ شبلؔی اس باب میں اضافہ سے عجز کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مولوی الطاف حسین صاحب حالؔی نے حیات سعدی میں سعدی کے حالات اور شاعری پر جو کچھ لکھ دیا ہے، اس کے بعد کچھ لکھنا بے فائدہ ہے، لیکن بعض تعلیم یافتہ دوستوں نے حد سے زیادہ اصرار کیا اور آخر مجبوراً لکھنا پڑا۔[۱۴]

مولوی عبدالحق نے بھی حالی سے متعلق اپنی کتاب میں سعدی پر مواد کی کمی کا تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

> سعدی کی حیات کے متعلق فارسی ادب میں کوئی سامان نہ تھا۔ صرف ان کے کلام کے مطالعہ سے شہد کی مکھی کی طرح ذرّہ ذرّہ چن کر سعدی کی سیرت اور اخلاق اور حالات کو مرتب کیا ہے۔ کلام پر مفصل تبصرہ اور اس کے محاسن اور ادبی نکات کو بڑے سلیقے اور خوبی سے بیان کیا ہے۔[۱۵]

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''حیات جاوید'' جیسی ضخیم اور فنی اعتبار سے قدرے متوازن سوانح لکھنے والے حالی نے ایک طویل مضمون یا کتابچے جتنے سوانحی مواد کو ایک غیر متوازن حجم والی سوانحی کتاب میں کیوں کر تبدیل کر دیا؟ اس کا جواب یہی دیا جاسکتا ہے کہ اوّلین سوانح نگار حالی کے سامنے نہ صرف اردو، بلکہ دوسری زبانوں میں بھی کوئی ایسا نمونہ نہیں تھا، جسے پیش نظر رکھ کر وہ اپنی پہلی سوانحی کاوش کو متناسب بنا سکتے۔ رہی بات صواب دید کی، تو یہ کام آگے چل کر انھوں نے ''حیات جاوید'' میں کیا کہ اسے ایک حد تک متوازن بنانے کی کوشش کی، اگرچہ مواد کی کثرت کے سبب یہ کتاب خاصی ضخیم بن گئی ہے۔ لیکن بنیادی بات اس سلسلے میں یہی ہے کہ حالی اوّلین سوانح نگار تھے، اور اوّلین کام کرنے والوں کو جس نوع کی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے، وہ حالی کے ساتھ بھی پیش آئی ہوں گی، اور آج بھی جب کہ حالی و شبلی جیسے بنیاد گزاروں کے کام کو سوا سو سال گزر چکے ہیں، اردو میں اب تک کوئی ان سے بڑا سوانح نگار پیدا نہیں ہوسکا۔

سعدی: علم و دانش اور فضل:

''حیات سعدی'' دو ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں سوانح کو پیش کیا گیا ہے اور دوسرے میں نظم و نثر پر تنقید کی گئی ہے۔ باب اوّل میں سوانحی حالات کے تحت مختصراً فارس اور شیراز کے حالات، خصوصیات اور تاریخ، شیخ سعدی کے نام و نسب، ولادت اور بچپن کے احوال، مدرسہ نظامیہ بغداد میں حصول تعلیم، شیخ کے علم و فضل اور تصوف و سلوک کا اجمالی بیان، ان کی وسیع خطۂ ارض کی طویل سیاحت اور پھر وطن واپسی کے حالات تحریر کیے گئے ہیں۔ حالی نے سعدی کی مختلف علوم و فنون سے واقفیت اور ان کی لیاقت و مہارت کا بیان اس باب میں کیا ہے، مگر شیخ نے مزید کن کن علوم کی تحصیل کی؟ اس کی تحقیق غالباً مواد کی عدم دستیابی کے سبب نہیں ہوسکی۔ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سعدی کو علوم دینیات، ادب، سلوک و تصوف اور وعظ و خطابت میں مہارت حاصل تھی۔ لکھتے ہیں:

> شیخ کی تحصیل اور مبلغ علم کا حال دریافت ہونا مشکل ہے۔ مگر ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے فلسفے اور حکمت کی طرف بہت کم توجہ کی تھی، زیادہ تر اس کی ہمت دینیات اور علم سلوک و علم ادب کی جانب مصروف رہی، اور خاص کر وعظ و خطابت میں، جس کی تعلیم مدرسۂ نظامیہ میں باقاعدہ طور سے ہوتی تھی، اس کو عمدہ دست گاہ تھی۔[۱۶]

سعدی نے کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی؟ حیات سعدی، سوائے ایک نام کی صراحت کے، اس تذکرے سے خالی ہے۔ شبلی نے بھی ایک ہی استاذ کا نام تحریر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سوانحی کتب اس بارے میں خاموش ہیں۔ حالی و شبلی نے جس واحد استاذ کا نام تحریر کیا ہے، وہ ہیں مشہور محدث علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی، جو بغداد میں رہتے تھے۔ مگر شبلی کا کہنا ہے کہ ابن جوزی کا تعلق مدرسہ نظامیہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ اس امر پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ ابن جوزی کی تعلیم کا اثر سعدی پر نہیں پڑ سکا:

یہ عجیب بات ہے کہ ابن جوزی کا اثر شیخ کی تعلیم پر نہیں پڑا۔ ابن جوزی ان محدثین میں شمار کیے جاتے ہیں، جو حدیث اور روایت میں نہایت سخت احتیاط سے کام لیتے تھے، اور مشتبہ اور ضعیف روایتوں کو بالکل ترک کر دیتے تھے، لیکن شیخ اتفاق سے کہیں کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں، تو عموماً ضعیف بلکہ مصنوعی ہوتی ہے۔[۱۷]

خواجہ حالی نے سعدی کی شناخت کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کی شہرت طبقۂ علما میں کم، مگر طبقۂ شعرا میں زیادہ ہوئی، مگر ان کی علمی لیاقت کا حال یہ تھا کہ بعض مواقع پر فقہا و قضات کی مجلسوں میں ان کی رائے سب پر غالب رہی۔ اس سے سعدی کا علمی کمال ظاہر ہوتا ہے:

نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ، عالم صوفیوں میں سے تھا اور علوم و آداب سے بہرۂ کامل رکھتا تھا۔ اگرچہ اس کی شہرت طبقۂ علما میں اس قدر نہیں ہوئی، جس قدر زمرۂ شعرا میں ہوئی، مگر اس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک محقق اور سلجھا ہوا عالم تھا۔ بعض موقعوں پر فقہا اور قضات کے مجمعوں میں اس کو بحث اور مناظرے کا اتفاق ہوا، اور اخیر کو اس کی رائے سب پر غالب رہی ہے۔[۱۸]

شخصیت کے زاویے:

ماقبل کی سطور میں سعدی کی شخصیت بہ حیثیت نثر نگار، شاعر، صوفی، معلم اخلاق، عالم اور واعظ کے سامنے آئی ہے، مگر حالی نے اس کتاب کے ''خاتمہ'' میں سعدی کی جو نقاب کشائی کی ہے، اس سے ان کی شخصیت کا کھلا پن سامنے آتا ہے اور متعدد پہلو روشن ہوتے ہیں۔ اسے حالی کے الفاظ میں جاننا مناسب معلوم ہوتا ہے:

بے شک وہ صوفی بھی تھا، اور واعظ بھی تھا، مگر آج کل کے مشائخ اور واعظین کے برخلاف، ایک نہایت بے تکلف، کھلا ڈلا، یار باش، ہنسوڑ، ظریف، ریا اور نمائش سے دور، سیدھا سادا مسلمان تھا..... وہ شاعری میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا، مگر مشرق کے عام شعرا کی طرح حریص اور لالچی نہ تھا..... بایں ہمہ، وہ امرا اور سلاطین سے ملتا بھی تھا اور ان کی مدح میں قصیدے بھی لکھتا تھا، اور جو کوئی عقیدت یا محبت سے اس کی کچھ نذر کرتا تھا، وہ لے بھی لیتا تھا..... امیروں سے وہ اس لیے بھی زیادہ میل جول رکھتا تھا کہ اکثر اس کی سفارش سے، جیسا کہ گلستاں کی بعض حکایتوں سے پایا جاتا ہے، غریب آدمیوں کے کام نکل جاتے تھے۔ خودداری اور غیرت اس میں ایسی تھی کہ نہایت ضرورت اور احتیاج کے وقت بھی وہ وضع کو ہاتھ سے نہ دیتا تھا۔ اس نے اپنی زبان اور قلم کو پند و نصیحت کے لیے وقف کر دیا تھا، اور حق بات کہنے سے خطرناک موقعوں پر بھی نہ چوکتا تھا۔[۱۹]

سیاحت اور علما و صلحا کی مصاحبت:

''حیات سعدی'' کے مطالعے سے سعدی کی شخصیت کے جو متنوع پہلو سامنے آئے ہیں، ان میں ایک بہت نمایاں جذبۂ سیاحت ہے، جس کا مقصد تلاش علم اور مطالعۂ روزگار تھا۔ سعدی نے ایشیا اور افریقہ کے بڑے خطے کی سیاحت کی۔ انھوں نے اکثر مقامات ایران، عراق، عرب، شام، فلسطین، مصر، طرابلس شرقی، اقصاے روم، یمن، ہند، آرمینیہ، آذربائیجان اور ترکستان وغیرہ خطوں کی نہ صرف سیاحت کی، بلکہ ان علاقوں میں جہاں جہاں وہ گئے، وہاں عرصے تک قیام کیا۔ بغداد کے مدرسۂ نظامیہ سے فراغت کے

بعد وہ اپنے وطن شیراز واپس نہیں آئے، بلکہ ایک عرصے تک شب و روزِ حیات، سیاحت میں بسر کیے۔ ان کی کل مدت سیاحت تیس برس بتائی گئی ہے، جس کی صحت پر حالؔی نے کچھ کلام بھی کیا ہے۔[۲۰] سعدی کی سیاحتوں کا ایک نمایاں امتیاز ان کی یہ عادت تھی کہ وہ جہاں بھی جاتے، وہاں کے علما وصلحا سے ملاقاتیں کرتے اور ان سے فیض اُٹھاتے تھے۔ حالؔی لکھتے ہیں:

> اس کے سوا جیسی عمدہ صحبتیں شیخ کو میسر آئی تھیں، ویسی بہت کم آدمیوں کو میسر آتی ہیں۔ شیخ کی عادت جیسا کہ اس کے فحوائے بیان سے معلوم ہوتا ہے، یہ تھی کہ عالم سفر میں وہ جہاں جاتا تھا، وہاں کے علما، صلحا، مشائخ اور کاملین سے ضرور ملتا تھا۔ صاحب نفحات الانس نے لکھا ہے کہ شیخ نے کثرت سے دانش مندوں اور عالموں کو دیکھا تھا۔ وہ خود بھی بوستاں میں لکھتا ہے:
>
> تمتّع زہر گوشہ ای یافتم　　زہر خرمنی خوشہ ای یافتم[۲۱]

اسی حوالے سے حالؔی لکھتے ہیں کہ جن ملکوں میں سعدی کی زیادہ آمدورفت رہی، ان میں ساتویں صدی ہجری کے آغاز سے آٹھویں صدی ہجری کے شروع تک کم از کم چار سو جلیل القدر علما موجود تھے، جن سے سعدی کا ملنا ممکن تھا، اور ان میں سے بہت سے علما و مشائخ سعدی کی نظر سے گزرے تھے۔[۲۲]

معلم اخلاق سعدؔی:

حالؔی نے لکھا ہے کہ سعدی ہر طرح کے لوگوں سے ملتے اور ہر طبقے کی مجلسوں میں جاتے تھے۔ حصولِ علم و فضل اور مطالعۂ روزگار کے سبب ان کی شخصیت بہت ممتاز ہوگئی تھی۔ اسی جہاں گردی اور دنیا بھر کے تجربات کے حصول، استنباط نتائج اور پیش کش کی غیر معمولی صلاحیت وغیرہ کے سبب ان کی شخصیت عظیم معلم اخلاق اور عظیم شاعر و نثر نگار کی حیثیت سے سامنے آتی ہے:

> وہ ہر فرقے اور ہر گروہ کے آدمیوں سے ملتا اور ان کی صحبت سے فائدہ حاصل کرتا تھا۔ جس طرح وہ فقرا اور مشائخ کے حلقوں میں بیٹھتا تھا، اسی طرح امرا کی مجلسوں اور بادشاہوں کے دربار میں شریک ہوتا تھا، اور کبھی وہ احرار و ابرار کی صحبت سے مستفیض ہوتا تھا اور کبھی اوباش و الواط کے جلسوں کا تماشائی تھا۔ نہ اس کو شراب خانے میں جانے سے عار تھا، نہ بت خانے میں رہنے سے ننگ تھا۔ اسی نے جامع بعلبک میں مدتوں وعظ کہا تھا اور وہی بت خانۂ سومنات میں ایک مدت تک پجاری رہا۔ کبھی وہ بصرے کے نخلستان میں یاروں کے ساتھ کھجوریں توڑتا نظر آتا تھا، اور کبھی فلسطین کی بستیوں میں پیاسوں کو پانی پلاتا پھرتا تھا۔ غرض کہ اس کی تمام عمر فضائل انسانی اور نیرنگیِ روزگار کے مطالعے میں بسر ہوئی تھی۔ اسی سبب سے یورپ کے بعض مصنفوں نے اس کو ''گریٹ مورلسٹ'' کہا ہے، اور اسی وجہ سے اخلاق بشری کی تصویر جس عمدگی کے ساتھ اس نے اپنے کلام میں کھینچی ہے، ویسی آج تک ایران کے کسی شاعر سے نہیں کھنچ سکی۔[۲۳]

شخصیت پر ماحول کا اثر:

سعدی کے سوانح نگار حالؔی نے اپنی کتاب میں اس ماحول اور حالات کا تجزیہ کیا ہے، جس کا سعدی کی شخصیت کی تعمیر میں

بہت اہم کردار ہے۔ حالؔی کے مطابق شیراز کی خصوصیات، مدرسہ نظامیہ کی تعلیم، بغداد کی سوسائٹی، سیاحت اور حالات روزگار ایسی چیزیں ہیں، جنھوں نے سعدی کی شخصیت کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کیا ہے:

> کوئی شخص کسی چیز میں کامل نہیں ہوسکتا جب کہ دو باتیں جمع نہ ہوں: ایک جوہرفطری، دوسرے زمانے کے ایسے اتفاقات جو اس کی جلا کا باعث ہوں۔ شیخ کی ذات میں جس قسم کی قابلیت تھی، اسی کے موافق اس کو اتفاقات پیش آئے تھے۔ جس شہر میں وہ پیدا ہوا تھا، وہ خود ایک مردم خیز خطہ تھا، جہاں ہونہار بچوں کو خود بہ خود کسبِ کمال کی ترغیب ہونی چاہیے..... جس مدرسے میں وہ حسن اتفاق سے تحصیل علم کے لیے پہنچا، وہ تمام مدارس اسلامیہ میں ممتاز اورسربرآوردہ تھا، اور جس دارالخلافے میں وہ مدرسہ واقع تھا، وہاں کی سوسائٹی اس وقت تقریباً تمام دنیا کی سوسائٹیوں کی نسبت زیادہ شائستہ اور مہذب تھی۔ اس نے صرف درس و کتاب ہی سے استفادہ حاصل نہیں کیا تھا، بلکہ زمانے نے بھی اس کی تادیب خاطر خواہ کی تھی۔ اس کی عمر کا ایک بہت بڑا اور مفید حصہ نہایت کٹھن اور دوردراز سفر کرنے اور دنیا کے عجائبات اور قدرت کی نیرنگیاں دیکھنے میں بسر ہوا تھا۔ سلطنتوں کے پے درپے انقلابات اور ملکوں کے متواتر تغیرات، ظالم بادشاہوں اور بے رحم عاملوں کے ظلم وستم دیکھتے دیکھتے بنی نوع کی دل سوزی اور ہم دردی اس کی طبیعت میں راسخ ہوگئی تھی۔[۲۴]

سعدی کی شخصیت پر ماحول کے جن اثرات کو اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے، ان کے متعلق سید عبداللہ کا کہنا ہے کہ فن سوانح میں یہ غالباً ایک جدید چیز ہے، جو یورپی مغرب کے سبب پیدا ہوئی ہے:

> ان جدید اثرات میں سے جو حالی کی سب کتابوں میں نمایاں نظر آتے ہیں، ایک بات یہ ہے کہ مصنف کی زندگی پر ماحول کے اثرات کا سراغ لگانے کی کوشش کی گئی ہے، مثلاً یہ کہ سعدی پر شیراز میں پیدا ہونے، نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کرنے، سیروسیاحت میں مشغول رہنے اور خاص آب و ہوا میں پرورش پانے کے کیا نتائج و اثرات ہوئے۔ یہ غالباً ایک جدید چیز ہے، اور اس پر زیادہ توجہ یورپ کی پیروی میں پیدا ہوئی۔[۲۵]

نثر اور شاعری پر تنقید:

''حیات سعدی'' کا دوسرا حصہ سعدی کی نظم و نثر کی تنقید پر مشتمل ہے، جو پہلے سوانحی حصے کے مقابلے میں بہت تفصیلی ہے۔ اس میں سعدی کی زندگی میں اس کے کلام کی شہرت اور کلام پر لوگوں کی آرا پر گفتگو کے علاوہ گلستاں اور بوستاں کا دوسری کتابوں سے تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ چناں چہ گلستاں کا بہارستان، خارستان اور پریشان سے اور بوستاں کا سکندرنامہ اور خرابات سے تقابل کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں گلستاں و بوستاں کی خصوصیات، سعدی کی غزلیات، قصائد، مطائبات و ہزلیات و مضحکات اور عربی قصائد اور مقطعات پر بھی تنقیدی گفتگو کی گئی ہے۔ دوسرا حصہ اگرچہ اپنی ہیئت اور طوالت کے سبب فنی اعتبار سے نقص کا حامل بن گیا، پھر بھی اس کے بعض زیادہ اہم مباحث پر یہاں گفتگو کی جاتی ہے، تاکہ کتاب کے مندرجات سے آگاہی ہوسکے اور اس کی مجموعی وقعت و حیثیت بھی سامنے آسکے۔

حالؔی نے ''حیات سعدی'' میں بوستاں کا نظامی کے سکندرنامہ اور شیخ علی حزیں کے خرابات سے موازنہ کیا ہے اور بوستاں کی

خصوصیات متعین کی ہیں۔ انھوں نے بوستاں اور خرابات کے قحط سے متعلق اشعار منتخب کرکے ان کے مابین تقابل کرتے ہوئے مضامین اور اسلوب کی خوبیوں اور خامیوں کو پیش کیا ہے۔ ان میں سے چند اشعار یہاں نقل کے جاتے ہیں:

بوستاں:

چناں قحط سالی شد اندر دمشق — کہ یاران فراموش کردند عشق
چناں آسمان، برزمین شد بخیل — کہ لب تر نکردند زرع و نخیل
بخورشید سرچشمہ ہای قدیم — نماند آب جز آبِ چشم یتیم
نہ برکوہ کوہ سبزی، نہ در باغ شیخ — ملخ بوستان خورد و مردم ملخ

خرابات:

شنیدم کہ در عہد بہرام گور — نمود از قضا قحط سالی ظہور
چوصحرای محشر زمیں تف گرفت — بدریوزۂ آسمان کف گرفت
سحابِ سیہ دل نشد مہربان — بحالِ لبِ تشنۂ خاکیان
بخیلی نمود ابر بر کائنات — بمہد زمین سوخت طفل نبات(۲۶)

حالؔی نے تحریر کردہ اشعار پر جو گفتگو کی ہے، ان سب کو یہاں نقل کرنا تفصیل سے خالی نہیں ہے، چناں چہ صرف بعض اشعار پر ان کی تنقید کو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ حالؔی سعدی کے پہلے شعر پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> شیخ سعدی نے پہلے ہی شعر کے دوسرے مصرعے میں جس حسن و لطافت کے ساتھ قحط کی سختی کی تصویر کھینچی ہے، اس سے بہتر کوئی اسلوب بیان خیال میں نہیں آتا..... شیخ نے وہ اسلوب اختیار کیا ہے جو سب سے نرالا اور سب سے بلیغ ہے۔ اس اسلوب سے اس کو یہ جتانا مقصود ہے کہ شاعر کے نزدیک عشق ایک ایسی چیز ہے، جو کسی حالت میں فراموش نہیں ہوتی، باوجود اس کے، لوگ اس کو بھول گئے تھے اور ''یاران'' کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مصنف بھی اسی عشاق کے جرگے میں تھا۔[۲۷]

اس گفتگو کے بعد علی حزیں کے اشعار پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> پہلا شعر ہم وار اور صاف ہے، اس میں کوئی خوبی قابلِ ذکر نہیں۔ دوسرے شعر میں زمین تفتہ کو صحرائے محشر سے تشبیہ دینا تعریف الشیِ بالمجہول کے قبیل سے ہے۔ چوتھا شعر شیخ کے اس شعر سے ماخوذ ہے:
>
> چنان آسماں بر زمین شد بخیل — کہ لب تر نکردند زرع و نخیل
>
> مگر شیخ کے بیان میں اتنا لطف زیادہ ہے کہ کھڑی کھیتی کا خشک ہوجانا زیادہ حسرت ناک ہے بہ نسبت اس کے کہ تخم،

زمین کے اندر ہی جل جائے۔ پانچویں شعر کا دوسرا مصرع بہت عمدہ ہے مگر پہلا مصرع تکلف سے خالی نہیں [۲۸]

حالؔی نے مذکورہ شعرا کے ہم مضمون اشعار درج کر کے جس طرح تقابلی گفتگو کی ہے، اس سے مثنوی نگاری میں سعدی کی علی حزیں پر افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں حالؔی کا وہ اقتباس نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، جس میں انھوں نے تقابل سے قبل اپنی تنقیدی رائے پیش کی ہے:

> مگر دونوں کتابوں یعنی بوستاں اور خرابات کا مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو صورتیں ایک شکل کی ہیں۔ ایک جان دار، دوسری بے جان۔ لفظ اچھے، بیان اچھا، مطالب عمدہ، یہ سب کچھ سہی، مگر شیخ کے بیان میں ایک چھپا ہوا جادو ہے جو بوستاں کو خرابات سے بالکل الگ کر دیتا ہے۔ [۲۹]

حالؔی نے سعدی کی غزل گوئی پر بھی تنقیدی گفتگو کی ہے اور ان کے تعین قدر کا عمل مؤثر طور پر انجام دیا ہے۔ سعدی کا امتیاز یہ ہے کہ ان سے قبل تغزل کا میلان زیادہ تر عشق مجازی کی طرف تھا، اور اس میں صرف بیرونی اور ظاہری حالتیں بیان کی جاتی تھیں، لیکن سعدی نے اس طرف زیادہ توجہ کرنے کے بجائے عشق و محبت کے پوشیدہ اسرار اور عمیق و لطیف کیفیات سے فارسی غزل کو روشناس کرایا، جس سے قدیم غزل خالی تھی۔ انھوں نے مضامین غزل میں وسعت پیدا کی، چناں چہ عشق و محبت کے مضامین متنوع رنگ میں بیان کیے جانے لگے۔ حالؔی نے سعدی کی غزل پر گفتگو کرتے ہوئے اس میں کچھ ایسی صفات کی نشان دہی کی ہے، جن سے انوری، خاقانی اور ظہیر وغیرہ کی غزلیات خالی ہیں یا ان میں یہ صفات بہت کم پائی جاتی ہیں۔ ان میں ایک اہم صفت یہ ہے کہ سعدی اکثر غزل کی بحر اور زمین ایسی منتخب کرتے ہیں، جو تغزل اور نغمگی کے لیے بہت مناسب ہوتی ہیں۔

سعدی کی غزل کا سب سے بڑا امتیاز جو انھیں قدما سے ممتاز کرتا اور غزل کا عظیم شاعر بناتا ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے تصوف و درویشی سے متعلق مضامین بہ کثرت اختیار کیے ہیں اور انھیں ایسی تعبیرات کے ساتھ غزل میں سمویا ہے، جو بہت منفرد اور پُرکشش حیثیت کے حامل ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے ان مضامین کو جس حسنِ بیان کے ساتھ جزو غزل بنایا ہے، اس سے ان کی غزلیں بہت لطف انگیز ہوگئی ہیں۔ ان مضامین میں سعدی نے عشق حقیقی کو عشق مجازی کے پیرایے میں ادا کرنے اور شاہد مطلق کی صفات کو زلف و خال و خط اور لب و دندان سے تعبیر کرنے، کاملین اور عرفا و مشائخ پر رند، بادہ خوار، مے فروش اور پیر خرابات وغیرہ کے الفاظ اطلاق کیے جانے اور محتسب و زاہد پر طنز اور غیر مشرع لوگوں کی خوبیاں ظاہر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ چناں چہ حالؔی کہتے ہیں:

> اگرچہ ان میں سے بعض عنوان جستہ جستہ قدما کی غزل میں بھی پائے جاتے ہیں، لیکن شیخ کے ہاں اوّل تو کثرت سے ہیں، اور دوسرے اس کے حسن بیان نے ان کو بہت بامزہ اور لطف انگیز کر دیا ہے۔ [۳۰]

حالؔی کا یہ بھی کہنا ہے:

> جن اصولوں پر شیخ نے غزل کی بنیاد رکھی تھی، اس کے بعد اکثر متغزلین نے وہی اصول اختیار کیے، کیوں کہ ان کے بغیر، غزل کا سرسبز ہونا، نہایت دشوار تھا، اور اس طرح رفتہ رفتہ تمام ایران اور ترکستان اور ہندوستان میں ایک آگ

سی لگ گئی۔[۳۱]

حالؔی نے حصہ نقد میں تقابل اور تنقیدی طریق کار کو اختیار کرتے ہوئے سعدی کی نثر ونظم کی خصوصیات کو جس طرح متعین کرنے کی کوشش کی ہے، اس سے ان کی دقت نظر، جزئیات رسی، استنباط نتائج اور پیش کش کی غیر معمولی صلاحیت، وضاحت اور قطعیت وغیرہ نمایاں ہوتی ہیں۔ اس سے سعدی کی نثر کا غیر روایتی اور اوّل و آخر اسلوب، مثنوی کے بعض مضامین میں فردوسی کا ہم پلہ ہونا اور غزل میں ان کی اوّلیت، انفرادیت اور عظمت سامنے آتی ہے۔ حصۂ نقد کے حوالے سے رشید حسن خان کا کہنا ہے کہ کہنے کو تو یہ کتاب سعدی کی سوانح عمری ہے، لیکن اس کا زیادہ حصہ ان کے کلام کے تبصرے پر مشتمل ہے، اور یہی حصہ اس کتاب کی جان ہے۔ انھوں نے جن محاسن کو نمایاں کیا ہے، وہ کلام سعدی کی جان ہیں۔''[۳۲]

تنقیدی اسلوب:

سعدی کے متعلق بعض انگریز مصنفوں نے غلط معلومات بھی تحریر کی ہیں، اور ان کے بعض کلام پر اخلاقی نقطۂ نظر سے تنقید بھی کی ہے۔ ''حیات سعدی'' میں ناقد اور سوانح نگار حالؔی نے اس نوع کے مباحث پر تنقید کی ہے، اور انھیں بہ دلائل رد کیا ہے۔ حالؔی نے سرگوراوسلی کی کتاب کے حوالے سے فرانسیسی محقق گارساں ڈی ٹیسی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ: '' سعدی پہلا شخص ہے جس نے ہندوستانی زبان یعنی ریختہ میں، جب کہ وہ سومنات اور گجرات میں آیا تھا، شعر کہا ہے'' اور پھر اس کے بعد انھوں نے اس مغالطے کی تردید کی ہے، جو مرزا محمد رفیع سودا جیسے تذکرہ نگاروں کو بھی ہوا ہے۔ حالؔی کہتے ہیں کہ: '' اصل یہ ہے کہ دکن میں بھی ایک شاعر سعدؔی تخلص اس زمانے میں ہوا ہے، جب کہ ریختے کی بنیاد پڑنی شروع ہوئی تھی۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ اس کی وفات کو تقریباً چار سو برس گزرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ریختے میں سب سے پہلے اسی نے شعر کہا ہے..... مرزا رفیع سوداؔ نے اپنے تذکرے میں ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی کے نام پر لکھا ہے، مگر حکیم قدرت اللہ خاں قاسم نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ اس شخص کو سعدی شیرازی سمجھنا، جیسا کہ بعض تذکرہ نویسوں نے دھوکا کھایا ہے، محض غلط ہے۔''[۳۳]

اسی طرح حالؔی نے سرگوراوسلی کا یہ بیان نقل کرنے کے بعد کہ سعدی امیر خسرو سے بہ طور خاص ملنے کے لیے دوبار ہندوستان آئے تھے، تنقید کرتے ہوئے بے اصل قرار دیا ہے۔ اس طرح کا بیان کئی تذکرہ نویسوں نے نقل کیا ہے، البتہ حالؔی نے معتبر حوالوں سے یہ لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے قاآن محمد سلطان معروف بہ خان شہید، ناظم ملتان نے دوبار شیخ سعدی سے ہندوستان آنے کی درخواست کی تھی اور امیر خسرو، جو ان کے مصاحبوں میں تھے، کا کلام بھی ملاحظے کے لیے بھیجا تھا، مگر سعدی نے پیری کے سبب معذرت کر لی اور دونوں دفعہ اپنے کل چار دیوان اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے، خان شہید کو بھیجے اور امیر خسرو کے متعلق لکھا کہ: ''اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنی چاہیے۔''[۳۴] شبلؔی نے مستند تذکروں کے حوالے سے یہی بات لکھی ہے، البتہ انھوں نے گلستاں و بوستاں تحفے میں بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔''[۳۵]

ایک سوانح نگار کو سوانح میں جس طرح نقد و تحقیق کا رویہ اختیار کرنا چاہیے، خواجہ حالؔی نے بالعموم اختیار کیا ہے، لیکن بعض مقام پر مطلوبہ معیار میں کمی بھی صاف نظر آتی ہے:

اس کا مذہب، جیسا کہ خود اُس کے کلام سے ظاہر ہے، تسنن معلوم ہوتا ہے، لیکن جس طرح اکثر صوفیہ کی نسبت تشیع کا گمان کیا گیا ہے، اس کو بھی قاضی نوراللہ شوستری نے مجالس المومنین میں شیعی لکھا ہے۔ ہم اُس کے کسی خاص مذہب کا ثبوت دے کر، ایک ایسے شخص کو جو مقبول فریقین ہے، ایک گروہ کا مقبول اور دوسرے گروہ کا مردود بنانا نہیں چاہتے۔ بڑی بات یہ ہے کہ وہ بے تعصب تھا، اور یہی اس کے ناجی ہونے کی دلیل ہے۔[۳۶]

یہاں سوانح نگار کی حیثیت سے حالؔی کی ذمہ داری تھی کہ وہ سعدی کے مذہب کو بیان کرتے تاکہ ہیرو کی ذات سے متعلق ایک اہم اور بنیادی معلومات سامنے آتی، مگر حالؔی نے دانستہ اس پہلو کو نظرانداز کرکے آگے نکل جانے کی کوشش کی ہے، اس سے سوانح نگار اور سوانح، دونوں کا معیار کسی قدر متاثر ہوتا ہے۔

''حیات سعدی'' میں حالؔی نے ''خاتمہ'' کے تحت جو ضمیمہ شامل کیا ہے، جس میں سعدی کے عام حالات اور ان کی شاعری پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے، یہ اگرچہ مذاق زمانہ کے مطابق ہے، لیکن اگر اسے شروع کے سوانحی حصے کا جزو بنایا جاتا، تو سوانحی مواد قدرے مبسوط اور متوازن ہوتا اور کتاب فنی اعتبار سے موجودہ شکل سے بہتر ہوتی۔

حالؔی اور تصویر سعدی:

حالؔی نے اس کتاب میں تنکا تنکا جوڑ کر سعدی کی تصویر بنانے کی کوشش کی ہے، اس سے ان کی جو شبیہ اُبھرتی ہے، وہ کچھ اس طرح کی ہے:

سعدی اپنے عہد کے بڑے صوفی اور علم و فضل کے حامل ہیں، مگر یار باش اور زندہ دل بھی ہیں۔ شخصیت کھلی ڈلی اور ذہن و مزاج سادہ ہے۔ ان کی علمی لیاقت بہت بلند ہے کہ علما و فقہا کی مجلسوں میں مشکل مسائل بے تکلفی سے حل کرتے نظر آتے ہیں۔ سیاحت ان کے رگ و پے میں سمائی ہے۔ نگاہ میں عبرت پذیری ہے اور معمولی واقعات سے گہرے نتائج و معانی مستنبط کرتے ہیں۔ وہ معلم اخلاق ہیں اور واعظ کہنہ مشق بھی۔ مزاراتِ انبیا پر مراقب ہوتے ہیں، شخصیت کے ارتقا کے لیے کبھی وہ سقّائی اختیار کرتے ہیں اور کبھی طلب علم و معلومات کے لیے سومنات میں پجاری بھی بن جاتے ہیں۔ وہ ایک مرحلے پر مذاق صوفیانہ کے تحت امرد پسندی بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ سعدی غریبوں کے ہمدرد بھی ہیں اور مرجع خلائق بھی کہ عوام کے ساتھ امرا و حکام بھی آستانہ بوسی کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ وہ حق گو ہیں، ان کی نظم و نثر نئے رنگ و آہنگ کی ہے، اور نثر و شاعری اور حکمت اور علم و فضل کا شہرہ ان کی حیات میں ہی ہند سمیت ایشیا و افریقہ کے وسیع خطے پر پھیل چکا ہے۔ تو سعدی کی یہ ہے وہ تصویر، جو حالؔی نے بنائی ہے۔ مگر شبلؔی نے چند منفی پہلوؤں کے تذکرے سے اس تصویر میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں:

نظامیہ میں حدیث پڑھتے ہیں، کسی نے ان کے خلاف کچھ کہہ دیا، اس پر آپے سے باہر ہوجاتے ہیں، اور کہتے ہیں:

چو من داد معنی وہم در حدیث　　برآید بہم اندرون خبیث

ایک درویش سے دولت مندی اور درویشی سے متعلق بحث کرتے کرتے دست و گریباں ہوجاتے ہیں اور دھول دھپّے

تک نوبت پہنچا دیتے ہیں..... حج کا سفر ہے، ذوق و شوق میں احرام باندھے پاپیادہ جارہے ہیں، اس حالت میں بھی زبان سے ناسزا کلمات نکل رہے ہیں، چناں چہ خود فرماتے ہیں: در سروردی ہمدیگر فتادیم و دادفسق و جدال دادیم..... بے شبہ یہ باتیں ان کے عارض کمال کے داغ ہیں، لیکن ایک رفارمر اور مصلح کے لیے ان تمام مراحل سے گزرنا ضرور تھا۔[۳۷]

اور بلاشبہ سعدی نے ان مراحل سے گزر کر شخصیت کی تطہیر کرلی، لیکن اس نوع کے تذکرے سے ایک بشر کی حقیقی تصویر اُبھر آئی ہے، جس سے سوانح میں توازن پیدا ہوگیا ہے۔

خاتمۂ کلام:

''حیات سعدی'' کے متعلق یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حالؔی نے جس طرح کچھ تذکروں، بعض انگریزی کتابوں اور تراجم اور تصنیفات سعدی سے حتی المقدور کوشش کرکے مواد اکٹھا کیا اور ان سب کو جوڑ کر سعدی کی تصویر بنانے کی کوشش کی، اس سے یہ تو ضرور ہوا کہ وہ سعدی کی شخصیت کی مجموعی تصویر بنانے میں کام یاب رہے، مگر سعدی کی جیسی مبسوط تصویر کشی کی ضرورت تھی، وہ حالؔی سے نہ ہوسکی۔ اس کمی کے ازالے کی کوشش انھوں نے شاعری اور نثر پر نقد کے حوالے سے کرنے کی کوشش کی، مگر چوں کہ یہ حصہ سوانح کے بجائے نقد سے متعلق ہے، اس لیے سوانحی پہلو فنی اعتبار سے کم زور رہ گیا۔ ان سب کے باوجود سوانحی حصہ بہت اہمیت کا حامل ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ حالؔی کی اردو میں یہ اوّلین کوشش تھی، جس میں کچھ کم زوریوں کا در آنا بالکل فطری ہے۔ مگر حالؔی نے اردو میں سوانح نگاری کی جو بنیاد قائم کی، وہ نہ صرف فن، بلکہ زبان و اسلوب کے اعتبار سے بھی بالکل نئی چیز تھی، جو مستقبل کے سوانح نگاروں کے لیے بڑی حد تک نمونے کی حیثیت رکھتی تھی، اور جس کے اثرات مابعد کی سوانح نگاری پر ظاہر ہوئے۔

حواشی

۱۔ خواجہ الطاف حسین حالؔی: حیات سعدی، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۱۱ء، ص:۱۲۔۱۳ (دیباچہ)

۲۔ ایضاً۔ص:۱۲

۳۔ ڈاکٹر سید شاہ علی: حالؔی اور شبلی سوانح نگار کی حیثیت سے، مضمون مشمولہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری: اردو نثر کا فنی ارتقا، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۳ء، ص:۳۳۴

۴۔ ایضاً۔ص:۳۳۵

۵۔ ایضاً۔ص:۳۳۳

۶۔ ایضاً۔ص:۳۳۳

۷۔ خواجہ الطاف حسین حالؔی: یادگارِ غالب، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۰۷ء، ص:۱۶ (دیباچہ)

۸۔ خواجہ الطاف حسین حالؔی: حیات جاوید، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۷۹ء، ص:۲۶ (دیباچہ)

۹۔ سید عبداللہ: سرسید اور ان کے نامور رفقا، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۱ء، ص:۹۸

۱۰۔ خواجہ الطاف حسین حالؔی: حیات جاوید، ص:۲۶۔۲۷ (دیباچہ)

۱۱۔ شبلی نعمانی: انتخاب مضامین شبلی، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۱۱ء، ص:۱۵۲۔۱۵۳ (مناقب عمر بن عبدالعزیز)

۱۲۔ خواجہ الطاف حسین حالؔی: حیات سعدی، ص:۱۵ (دیباچہ)

۱۳۔ ایضاً۔ص:۱۵

۱۴۔ شبلی نعمانی: شعرالعجم، اعظم گڑھ، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۱۱ء، ج:۲، ص:۲۵

۱۵۔ بدرمنیرالدین: اردو تنقید میں حالی شناسی (مقالہ پی ایچ.ڈی)، شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص:۲۳۱، بہ حوالہ: مولوی عبدالحق: افکار حالی: کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۶ء، ص:۸۹

۱۶۔ خواجہ الطاف حسین حالؔی: حیات سعدی، ص:۳۳

۱۷۔ شبلی نعمانی: شعرالعجم، ج:۲، ص:۲۸

۱۸۔ خواجہ الطاف حسین حالؔی: حیات سعدی، ص:۳۲

۱۹۔ ایضاً۔ص:۲۴۲۔۲۴۳

۲۰۔ ایضاً۔ص:۳۲

۲۱۔ ایضاً۔ص:۲۴۴

۲۲۔ ایضاً۔ص:۲۴۵

۲۳۔ ایضاً۔ص:۲۴۵۔۲۴۶

۲۴۔ ایضاً۔ص:۲۴۲

۲۵۔ سید عبداللہ: سرسید اور ان کے نامور رفقا، ص:۱۱۴

۲۶۔ الطاف حسین حالؔی: حیات سعدی، ص:۱۲۷

۲۷۔ ایضاً۔ص:۱۲۸

۲۸۔ ایضاً۔ص:۱۳۰۔۱۳۱

۲۹۔ ایضاً۔ص:۱۲۶

۳۰۔ ایضاً۔ص:۱۷۷

۳۱۔ ایضاً۔ص:۱۹۱

۳۲۔ رشید حسن خان (مرتب): حیات سعدی،ص:۷ (تعارف)

۳۳۔ الطاف حسین حالؔی: حیات سعدی،ص:۳۴

۳۴۔ ایضاً۔ص:۳۵۔۳۶، ۱۷۷۔۱۷۸

۳۵۔ شبلی نعمانی: شعرالعجم، ج:۲،ص:۲۳

۳۶۔ الطاف حسین حالؔی: حیات سعدی،ص:۲۴۰

۳۷۔ شبلی نعمانی: شعرالعجم، ج:۲،ص:۴۲۔۴۳